قانون سازی میں مقاصدِ شریعت کا کردار

جناب عبدالغفار *

Islam is a complete code of life. Islamic injunctions are aimed at realization of justice & peace, elimination of Anarchy & creation of pleasant relation among human beings. Traditionally Fuqaha has mentioned safety of creed, life, intellect, property & race as Maqaside-e-Shriah.

Current era is era of progress & modernization. Western penetration & overwhelming has pushed the Islamic academia & Intelligentzia to re-consider the traditional list of "Maqasid-e-Shariah" in the light of current issues. Current issues include rulership of women, Marriage of Muslim woman with non-Muslims & Journey of women without escort, employment of Muslims in non-Muslim armies etc. This article encompasses the above said issues.

کائنات کی ہر چیز با مقصد ہے اور خالق کائنات اس سے بالاتر ہے کہ کوئی کام بے مقصد کرے۔ تمام مخلوقات میں انسان اپنی عقل کی وجہ سے ممتاز ہے اور زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ خلافت الٰہی اور نیابت خداوندی کے ساتھ پہلا فریضہ جو انسان کے سپرد کیا گیا ہے وہ لوگوں کے درمیان حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ہے(۱)۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک ایسا جامع ضابطہ حیات بھی دیا ہے جس میں زندگی گزارنے کا سلیقہ اور دین و دنیا کی بھلائی مضمر ہے۔ اپنی اسی خوبی کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات اور مکلّف ٹھہرا ہے۔ چونکہ انسان کی تخلیق ایک خاص مقصد کے تحت ہوئی ہے اس لئے اس کو دیئے جانے والے ہر حکم میں بھی شارع کی طرف سے خاص حکمت اور مصلحت پوشیدہ ہے۔

عقل و فطرت پر مبنی اقدامات نبویؐ میں جہاں قیام عدل ازالہ ظلم و فساد اور قیام امن و صلاح جیسے بڑے مقاصد پیش نظر رہے ہیں وہاں روزمرہ زندگی کے آداب، اصلاح ذات اور خوشگوار انسانی تعلقات اور امور دین و دنیا کی اعلیٰ معیار کارکردگی کے مطابق انجام دہی وغیرہ بھی سامنے رہے ہیں۔

---

* لیکچرر، شعبہ اسلامیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

مثال کے طور پر ذیل میں چند احادیث کی ترجمانی حوالہ کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں۔

جب نمازیوں کی تعداد بڑھی تو ضروری ہوا کہ لوگوں کو اس بات کی خبر دینے کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے کہ نماز شروع ہونے جا رہی ہے۔تا کہ وہ مسجد نبوی تک پہنچ سکیں بالآخر آذان کا طریقہ پسند کیا گیا۔(۲)

اسی طرح جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قیصر روم کو دعوتی خط بھیجنا چاہا تو وہاں موجود ایک شخص نے کہا جب تک خط پر مہر نہیں لگائی جائے گی وہ لوگ خط کو نہیں پڑھیں گے چنانچہ چاندی کی ایک انگوٹھی تیار کروائی گئی جس پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔آئندہ تمام خطوط پر مہر ثبت کی جانے لگی۔(۳)

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبہ جمعہ کے لئے کھڑے ہوتے تو پیچھے بیٹھنے والوں کے لئے دیکھنے اور سننے میں دشواری پیش آنے لگی تو ممبر بنانے کی تجویز زیرِغور آئی۔اس طرح ممبر بنا اور ممبر سے خطبہ دینے کا طریقہ رائج ہوا۔(۴)

تم میں کوئی امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہو تو نماز کو مختصر رکھو کیونکہ لوگوں میں بیمار، بوڑھے اور کمزور افراد بھی ہوتے ہیں۔البتہ تم اکیلے نماز پڑھو تو جتنی چاہے لمبی کرو۔(۵)

ایک دیہاتی مسجد نبوی میں آیا اور ایک کنارے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا لوگ اس کو سرزنش کرنے کو دوڑے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اس کے پیشاب میں خلل نہ ڈالو، پھر آپؐ نے اس جگہ پانی بہادینے کا حکم دیا۔(۶)

مذکورہ بالا تمام فرامین کا مقصد انسانی کمزوریوں کی رعایت ملحوظ رکھنے اور موقع محل کی مناسبت سے نرمی کا حکم اختیار کرنے کی تلقین پر مبنی ہے اور یہی دانشمندی کا تقاضا ہے۔

شارع کی طرف سے اس خاص حکمت اور مصلحت کو فقہاء کرام نے مقاصد شریعت کا نام دیا ہے دورِ حاضر میں جب بھی تطبیق شریعت پر زور دیا گیا ہے تو ساتھ ہی مقاصد شریعت بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔تخلیق انسانی اور مقاصد شریعت دونوں لازم وملزوم ہیں۔مقاصد شریعت ایک فقہی اصطلاح کے طور پر اگرچہ بہت بعد میں مستعمل ہوئی تاہم متقدمین نے جب بھی مصلحت اور مفاد عامہ کی بات کی ہے تو اس سے مراد مقاصد شریعت ہی ہے۔بطور اصطلاح سب سے پہلے اسے امام

الحرمین الجوینی (متوفی ۴۷۸/۱۰۸۰) نے استعمال کیا ہے اور اصول فقہ پر ان کی کتاب البرھان میں مقاصد، قصد اور مقصد وغیرہ کے الفاظ بکثرت استعمال کئے گئے ہیں۔

مقاصد شریعت کے مطالعہ سے فقہاء کرام کے پیش نظر دو فائدے رہے ہیں۔ اولاً یہ کہ احکام شریعت کی دریافت۔ ثانیاً یہ کہ مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل اور دور جدید کے تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے مقاصد شریعت کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ مقاصد شریعت کی روایتی فہرست حفظ دین، حفظ جان، حفظ عقل، حفظ نسل اور حفظ مال میں توسیع کا رجحان جو پہلے سے موجود تھا وہ اب قوی تر ہو گیا ہے۔

استحسان، مصالح مرسلہ، اسرار حکمت، معانی، حکم اور مقاصد شریعت جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جانے والا یہ تصور شروع ہی سے موجود رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو حکم دیتے ہیں ان سے انسانوں کی بھلائی ہی مقصود ہوتی ہے۔ بعض کی تصریح قرآن سنت میں موجود ہے اور بعض پر غور کرنے سے انشراح صدر جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شریعت کا کوئی خاص حکم خاص حالات وواقعات میں مقاصد شریعت کے خلاف نتائج کا حامل نظر آتا ہے تو ایسے میں کوئی ایسا دوسرا حکم وضع کیا جائے گا جو شریعت کے موافق ہو۔ خلفائے راشدین اور فقہاء کرام اور خود نبی کریمؐ سے منقول متعدد ایسے فیصلے کتب میں موجود ہیں جن سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

مقاصد شریعت کو باضابطہ شکل امام جوینی کے شاگرد ابوحامد الغزالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے دی۔ اپنی کتاب المستصفی فی اصول الفقہ میں رقمطراز ہیں ''مصلحت سے ہماری مراد شریعت کی محافظت ہے اور شریعت کا مقصود اس کے بندوں کے لئے پانچ چیزوں سے عبارت ہے، وہ یہ کہ ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کی جائے۔ ان پانچ بنیادی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہر شئے مصلحت شمار ہو گی اور ہر وہ چیز جو ان کے لئے خطرہ ہو مفسدہ شمار ہو گی۔ جسے دور کرنا عین مصلحت ہو گی''۔ (۷)

امام غزالیؒ کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہماری رہنمائی کے لئے مقاصد شریعت یعنی مصالح کی ایک فہرست مرتب کی جو آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور انہیں اس بات کا بھی پورا احساس ہے کہ قرآن وسنت میں مقاصد کی کوئی باضابطہ فہرست نہیں ہے چنانچہ وہ روایتی پانچ مقاصد کی نسبت سے واضح کرتے ہیں '' کہ ان معانی کے مقصود ہونے کا دعویٰ کسی ایک دلیل پر مبنی نہیں

ہے بلکہ قرآن وسنت میں موجود ان گنت دلائل پر مبنی ہے اور ان کی دلیل میں حالات اور اندازے اور مختلف قسم کی علامتیں بھی سامنے رکھی گئی ہیں اسی لئے ان کو مصالح مرسلہ کہا گیا ہے''۔(۸)

امام غزالی نے جس چیز کو مصلحت مرسلہ کا نام دیا ہے اور جسے وہ مقاصد شریعت کے ہم معنی قرار دے چکے ہیں اس کا بھر پور تصور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں استحسان کی صورت میں اور امام مالکؒ کے ہاں مصالح مرسلہ کی صورت میں موجود ہے۔امام شافعیؒ کا مسلک بظاہر مختلف رہا ہے مگر غور کریں تو ان کے ہاں بھی قیاس کی بنیاد اکثر ان حکمتوں اور مقاصد پر ہوتی ہے جو اس حکم کا سبب بنتے ہیں۔اسلامی قانون سازی میں یہ تصورات وہی کردار ادا کرتے ہیں جو مقاصد شریعت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔نص کی غیر موجودگی میں حکم تک پہنچنے یا موجود حکم سے گریز کر کے دوسرا حکم اختیار کرنے کی بنیاد فراہم کرنا،غرض کسی نہ کسی صورت میں مقاصد شریعت کے فہم کو نئے مسائل میں احکام شریعت کی دریافت میں ہمیشہ کلیدی حیثیت رہی ہے۔امام شاطبیؒ نے امام غزالیؒ کی پانچ مقاصد کی فہرست کو برقرار رکھا ہے مگر انہیں اس فہرست میں خاص ترتیب پر اصرار نہیں ہے اور نہ ہی اس فہرست میں حذف واضافہ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

تقی الدین ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد شمس الدین ابن القیم کی تصانیف میں شریعت اسلامیہ کی بے پناہ وسعتوں اور مصالح کی نسبت سے اس کے لازوال امکانات پر زور دیا گیا ہے۔مصالح مرسلہ پر گفتگو کرتے ہوئے ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ بعض لوگ مصالح مرسلہ کو جان ومال عزت وآبرو،عقل ودین کے تحفظ میں محصور کر دیتے ہیں مگر ایسا کرنا درست نہیں بلکہ مصالح مرسلہ یہ ہیں کہ منافع حاصل کئے جائیں اور مضرتیں دور کی جائیں۔ابن تیمیہؒ ان لوگوں پر تنقید کرتے ہیں جو مقاصد شریعت کی فہرست کو صرف ان چیزوں تک محدود کر دیتے ہیں جن کے تحفظ کے لئے شریعت نے کوئی سزا مقرر کی ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''دنیا میں (جلب منفعت کی مثال) وہ معاملات ہیں جن میں عامۃ الناس کی بھلائی پوشیدہ ہو۔خواہ ان سے متعلق کوئی شرعی حد مقرر کی گئی ہو یا نہیں اور دین میں (جلب منفعت کی مثال) وہ اصول ومعارف،عادات اور زہد کی باتیں ہیں جن میں انسانوں کی بھلائی مضمر ہے جن سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔جن لوگوں نے مصالح کو ان سزاؤں سے وابستہ کر دیا جو فساد کو دور رکھنے کے لئے مقرر کی گئی ہیں یا جو اموال یا جسم انسانی کو محفوظ رکھنے کے لئے مقرر

کی گئی ہیں ان میں انہوں نے کوتاہی برتی ہے''۔(۹)

جن باتوں کی صراحت ابن تیمیہؒ نے کی ہے انہی باتوں پر ان کے شاگرد ابن قیم نے بھی ان زور دیا ہے ''شریعت کی بنیاد حکمتوں پر ہے اور معاش ومعاد کے بارے میں بندوں کے مصالح پر شریعت تمام تر عدل، رحمت، مصالح اور حکمت سے عبارت ہے''۔(۱۰)

عزالدین ابن عبدالسلام نے بھی دنیوی مصالح کو پہچاننے میں عقل کے کلیدی کردار پر زور دیا ہے ان کے نزدیک ''دنیا کے زیادہ تر مصالح اور مفاسد کو عقل کے ذریعے پہچانا جاتا ہے اور یہی حال اکثر شرع کا بھی ہے''۔(۱۱)

نویں اور بارھویں صدی ہجری کے درمیان مقاصد شریعت پر گہرائی کے ساتھ نظر شاہ ولی اللہ نے ڈالی ہے اور شریعت کے مختلف جزئی احکام کی حکمتیں بیان کی ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ان احکام کو بجالانے سے انسانوں کو کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ساتھ ہی کچھ نئے پہلو بھی اجاگر کئے ہیں۔ نئے حالات میں نئے احکام تجویز کرتے وقت علماء اکثر مقاصد شریعت کا حوالہ دیتے ہیں اور شاہ ولی اللہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے لکھتے ہیں کہ ''اسلامی حکومت کے مصارف کے باب میں بنیادی بات یہ کہ چند مقاصد کو کلیدی اہمیت دی جائے گی مثلاً ایسے لوگوں کی کفالت جو بڑھاپے، تنگ دستی یا اپنے مال سے دور ہونے کی وجہ سے خود کچھ کرنے سے معذور ہوں۔شہر کو کفار کے خطرے سے بچانے کے لئے حدود کی حفاظت، فوجیوں، اسلحے اور مددگار عملہ کے اخراجات نیز شہر کے جملہ امور۔۔۔دفاع، عدلیہ، شرعی حدود کا قیام بازار کی نگرانی وغیرہ کی تدبیر اور متعلقہ انتظامات، ملت کی حفاظت کے لئے ائمہ، خطباء، اساتذہ اور وعظ کہنے والے اور اسی ذیل میں انسانوں کے مشترکہ مفادات کا اہتمام کرنے والے بھی شامل ہیں مثلاً دریاؤں کی درستی اور ان پر بنے پل وغیرہ ٹھیک رکھنا''۔(۱۲)

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ شاہ صاحب نے مقاصد شریعت کی روایتی فہرست میں دین کی جگہ ملت کا لفظ استعمال کیا ہے اور ظاہر ہے دین اور ملت ایک ہی معنیٰ نہیں رکھتے (۱۳)۔ لفظ کی تبدیلی حالات کی تبدیلی کی آئینہ دار ہے شاہ صاحب ملت کی بقا دین کی بقاء میں دیکھتے ہیں۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ مقاصد شریعت کی روایتی فہرست میں خود اتنی وسعت ہے کہ بہت

سے نئے مقاصد اسی فہرست میں داخل ہیں۔مثلاً عدل وانصاف دین میں اور کفالت عامہ اورازالہ غربت حفظ جان میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔دواسباب کی بناپراس سوچ وفکر سے اتفاق ممکن نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ روایتی فہرست میں سارازور دفع مضرت پر ہے جلب منفعت کا پہلو دب گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ موجودہ عالمی اورقومی سطح کے مسائل میں ماحولیاتی تلوث پر کنٹرول ،کائنات کے قدرتی وسائل کا بچاؤ اورعمومی اورکلی تباہی مچانے والے اسلحہ کی پیداوار پر پابندی اور موجودہ نیوکلیائی ہتھیاروں نیز کیمیائی اورحیاتیاتی اسلحہ کا تلف کیاجانااوراقوام عالم کے باہم امن سے رہ سکنے کے تقاضے پورے کرنے کے لئے یہ بہتر ہے کہ ان امور سے مناسبت رکھنے والی اسلامی تعلیمات کواہمیت کے ساتھ پیش کیاجائے۔اہم بات یہ کہ نئے حالات میں اسلام اورمسلمانوں کوسیاسی ،معاشی اورسماجی امور میں دنیا کی رہنمائی کے لئے کس طریقہ سے زیادہ مدد مل سکتی ہے۔گلوبلائزیشن کے تقاضوں سے عہدہ براہ ہونے کے لئے مقاصد شریعت کی فہرست میں ان چیزوں کے اضافے سے مدد ملے گی جن کی مقصودیت کوکتاب وسنت کی سندتو حاصل ہے مگراب سے پہلے ان کوزیادہ اہمیت دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔مقاصدشریعت کی فہرست میں انسانی شرف عزت،بنیادی آزادیاں،عدل وانصاف،ازالہ غربت اورکفالت عامہ،امن وامان اورنظم ونسق،سماجی مساوات اور دولت وآمدنی کی تقسیم ہی ناہمواری کو روکنااوربین الاقوامی سطح پرباہم تعامل اورتعاون وغیرہ کوابھارکرپیش کرنامناسب ہوگا۔

عالم اسلام میں نئی فکری لہر

بیسویں صدی کے وسط میں مسلمانوں میں غوروفکر کاعمل بہت تیز ہوااورایسا ہونے کی بہت سی وجوہات تھیں۔مغربی سامراج کے زیرتسلط مسلمان ممالک رفتہ رفتہ آزاد ہوتے گئے اور یہ سلسلہ ۱۹۴۵ء مین انڈونیشیا سے شروع ہوااور۱۹۶۳ء میں الجزائر کی آزادی پرختم ہوا۔گزشتہ دوسوسال تک عالم اسلام میں تجدیدواحیاءاسلام کے لئے کام کرنیوالی متعددتحریکیں چل رہی تھیں۔چونکہ انقلاب روس کے بعدسرمایہ داری اوراشتراکیت کے درمیان کشمکش نے اسلام کوللکاراتھا کہ وہ اپنے ثقافتی ورثہ کاجائزہ لیں اس لئے سامراجی دور کے جملہ قوانین پرنظرثانی اورآزادمسلم ممالک کے لئے نئے دستور بنانے کا مرحلہ پیش آیا اقلیتی مسلم معاشروں سمیت ہرجگہ معاملات،علاج معالجہ اور دوردراز علاقوں

میں سفر سے متعلق نئے نئے سوالات نے جنم لیا اور اس پس منظر میں مفتیان کرام کو ان سوالات کے جواب متقدمین کی کتابوں میں نہ پا کر انہیں اس فکر سے ہٹ کر سوچنا پڑا۔

غرض روزمرہ زندگی کے چھوٹے بڑے مسائل ہوں یا قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والے نئے مسائل، فقہی مشکلات ہوں یا دعوتی امنگیں، ہر طرف غور فکر کے مطالبے تھے اس کے نتیجے میں ہر سطح پر غور وفکر، بحث و مذاکرہ کانفرنسوں اور مراکز بحث و تحقیق کا کام چل نکلا۔ چنانچہ بعض مسائل میں عصری تقاضوں کے تحت دوسرے فقہی مذاہب کی آراء بھی اختیار کی گئیں یہاں تک کہ مذاہب اربعہ کے باہر سے بھی آراء کو اختیار کیا گیا۔

بیسویں صدی کے وسط سے جب متعدد اسلامی ممالک میں آزادی کے بعد دستور سازی کا کام شروع ہوا تو عرب ممالک کے لئے نئ دستور سازی میں ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری نے اہم کردار ادا کیا۔ موصوف نے اپنے کام میں اسلام کے فقہی سرمایہ کو پوری طرح سامنے رکھا۔ پاکستان میں اسلامی دستور سازی کے طویل عمل میں علماء اور ماہر قانون نے حصہ لیا۔ ابتدائی دنوں میں سید سلمان ندوی، مفتی محمد شفیع عثمانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور محمد اسد نے پاکستان کی دستوریہ کی ''مجلس تعلیمات اسلام'' کے زیر اہتمام کام کیا۔

۱۹۷۷ء کے فوجی انقلاب کے بعد اس کام میں مزید تیزی آئی چنانچہ دستور پاکستان کے مطابق قائم کی جانے والی ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نے اسلامی قوانین کی تدوین جدید سے متعلق ایک وسیع مواد تیار کیا اور بیسیوں مروجہ قوانین پر نظر ثانی کی ہے تاہم حکومت پاکستان کی طرف سے ان کے نفاذ میں ہمیشہ بے اعتنائی برتی گئی ہے اور اسلامی نظریاتی کونسل کے پیش کردہ مسودہ پر پارلیمنٹ میں میری معلومات کی حد تک کبھی بحث نہیں کی گئی اور علماء کی کوششیں غیر مؤثر رہی ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل کا وقار مجروح ہوا ہے تاہم اجتہادی فکر کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

صدیاں تقلید میں گذارنے کے باوجود مقاصد شریعت کا تصور اور امور حیات میں اس کی طرف رجوع مسلمانوں کی ذہنی ساخت کا ایک لازمی جزء ہے اور جدید فکری رجحان نے اسے زیادہ ابھارا ہے۔ اس بات کا اطلاق جدید علوم کے ماہرین اور دانشوروں پر ہی نہیں ہوتا بلکہ تمام مسلمان

عوام وخواص پر یہ بات منطبق ہوتی ہے کیونکہ بدلے ہوئے حالات اور نت نئے مسائل اس شعور کو تازہ کرتے رہتے ہیں اور اس روشنی کی ضرورت محسوس کراتے رہتے ہیں۔اس حقیقت کی روشنی میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مقاصد شریعت کے تصور اور اس سے مستفید ہونے کے طریقہ کو گہرائی سے سمجھا جائے اور جس حد تک ممکن ہو اس عمل کے آداب وضوابط طے کئے جائیں۔

گذشتہ نصف صدی میں مسلمانوں کے درمیان نئے مسائل پر غور وفکر اور اختلافی امور میں مقاصد شریعت کی تحصیل کے نئے امکانات سامنے آئے ہیں۔آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ چند بنیادی باتوں کی طرف توجہ دی جائے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ یہ موضوع کتنا اہم ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ مقاصد شریعت جاں، مال، عقل، نسل اور دین کے تحفظ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی فہرست لمبی ہے اور اس میں مثبت اہداف بھی شامل ہیں۔دوسری بات یہ کہ اصل اہمیت مقاصد کی ہے ان کے حاصل کرنے کے طریقے زماں ومکاں اور حالات وواقعات کے ساتھ بدل سکتے ہیں، تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت کی پہچان اور ان کے حصول کے طریقوں میں عقل اور فطرت فعال کردار ادا کرتی ہے۔اس جائزہ کے بعد ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن میں وقت گذرنے کے ساتھ فتاویٰ بھی بدل گئے۔دریں حالیکہ پہلے فتویٰ میں بھی مصالح اور مقاصد پیش نظر تھے۔اس ضمن میں تین طرح کے فتاویٰ کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔

۱۔ ایسے مسائل جن میں بعض مجالس فقہ کے دیئے ہوئے فتاویٰ مقاصد شریعت کے منافی ہیں۔
۲۔ ایسے مسائل جن میں زیادہ تر لوگوں کو پرانے فتاویٰ پر اصرار ہے جبکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اب یہ فتاویٰ مقاصد شریعت سے مطابقت نہیں رکھتے۔
۳۔ ایسے مسائل جن میں سابقہ فتاویٰ سے مقاصد شریعت سے مغایر ہونے کی وجہ سے رجوع کرلیا گیا اور نئی رائے اختیار کر لی گئی۔

عورت کی سربراہی

اسلامی تاریخ میں عورت سربراہی کی بعض مثالیں موجود ہیں تاہم فقہ اسلامی یہی کہتی ہے کہ اسلامی ملک میں سربراہ حکومت مرد ہی کو ہونا چاہیے۔مگر پاکستان میں ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں

علماء کی ایک بڑی تعداد نے ایوب خان کے مقابلے میں فاطمہ جناح کو صدارتی امیداوار کے طور پر چنا۔ان میں مختلف مکاتب فکر کے ممتاز علماء شامل تھے۔(۱۴)

ڈاکٹر عبداللہ دراز، سید قطب، محمد الغزالی اور یوسف قرضاوی وغیرہ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے شیخ راشد نے اپنی کتاب المرأۃ بین القرآن الکریم وواقع المسلمین میں اس مسئلہ پر تفصیلاً بحث کی ہے۔ ان کی رائے میں مسلمان عورت کو سیاست میں حصہ لینا چاہئے اور اس کے مناصب حکومت پر فائز ہونے میں کوئی حکم شرعی مانع نہیں اور ان مناصب میں صدر کا عہدہ بھی شامل ہے۔قابل ذکر بات یہ ہے کہ موصوف نے اس ضمن میں مقاصد اسلام کا حوالہ دیا ہے۔(۱۵)

اہل کتاب سے مسلمان عورت کا نکاح

مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے نکاح کر سکتا ہے جبکہ مسلمان عورت اہل کتاب مرد سے نکاح نہیں کر سکتی یہ ایک فقہ کا طے شدہ مسئلہ ہے۔مگر جب سے مغربی ممالک میں جہاں غالب اکثریت اہل کتاب کی ہے تو مسلمان اقلیتوں کو بعض ایسے حالات سے سابقہ پیش آیا جن میں اس حکم پر عمل سے شریعت کے مقاصد فوت ہوتے نظر آئے۔اس بنا پر بعض علماء نے سابقہ حکم کو پیش نظر صورت حال کے لئے ناموزوں قرار دیا۔

شیخ یوسف قرضاوی کے نزدیک اہل کتاب میاں بیوی میں سے اگر بیوی مسلمان ہو جائے اور بیوی کو یہ بھی توقع ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ اس کا شوہر مسلمان ہو جائے گا تو وہ اس کے نکاح میں باقی رہے گی البتہ اسے چاہئے کہ شوہر کے اسلام لانے تک اس سے مباشرت نہ کرے۔(۱۶)

''مقاصد شریعت کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان عورت کو بچایا جائے اور ایسی عورتیں امریکی معاشرہ میں بے شمار ہیں۔اگر ان سے کہا جائے کہ اگر تم اسلام قبول کروگی تو تمہیں شوہر کو چھوڑنا پڑے گا،اولاد کو چھوڑنا پڑے گا تو اس کا کوئی شوہر نہ ہوگا،کوئی اس کے اخراجات پورے کرنے والا نہ ہوگا ۔اب اس صورت حال میں وہ عورت اپنے اور اپنے بال بچوں کے سلسلہ میں کیا راستہ اختیار کرے گی؟ بیشتر عورتیں یا تو اسلام قبول کر کے مرتد ہو جائیں گی یا اسلام قبول ہی نہیں کریں گی۔۔۔ہم اس فتویٰ کے ذریعہ بندگان خدا کو اللہ کے دین سے روکنے والے ہوں گے''۔(۱۷)

فقہاء کرام نے نئے حالات میں مقاصد شریعت پیش نظر رکھتے ہوئے ایک مؤقف اختیار کیا کہ اللہ کے بندے اللہ کے دین میں داخل ہوسکیں اور ان کو اس پر قائم رہنے میں نا قابل برداشت مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا

شریعت میں بہت سے مباح امور کو محض اس لئے حرام اور ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ وہ مفسدہ کی طرف لے جاتے ہیں اور اِن کی انجام دہی سے مقاصد شریعت متاثر ہوتے ہیں۔ایسے مباح اور جائز کام جو کسی مفسدہ کی طرف لے جائیں یا سبب بنیں شریعت نے سدالذریعہ کے طور پر ایسے افعال کی انجام دہی سے روک دیا ہے۔

عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا بھی ایک ایسا ہی فعل ہے۔اس ضمن میں بخاری اور مسلم کی روایات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔علامہ یوسف قرضاوی اپنی کتاب "کیف نتعامل مع السنة النبویة" میں فہم الاحادیث فی ضوء اسبابھا وملابساتھا ومقاصدھا" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ "بخاری اور مسلم کی روایت کردہ ایسی مرفوع احادیث بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں جو ابن عباسؓ اور دوسرے لوگوں کے حوالے سے نقل کی گئی ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔اس پابندی کی وجہ یہ خوف ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر یا کسی قریبی رشتہ دار کے بغیر اس زمانہ میں سفر کرتی جب اونٹ یا خچر پر بیٹھ کر مسافت طے کی جاتی تھی اور اس حال میں وہ ایسے دشت وصحرا سے گذرتی جس میں نہ آدمی اور نہ آدم زاد دیکھنے کو ملتا۔ایسے سفر میں اگر عورت کو کوئی واقعی گزند نہ بھی پہنچا ہو تو بھی لوگ اُسے شک کی نظر سے دیکھتے۔لیکن اگر حالات بدل جائیں، جیسا کہ فی زمانہ واقعتاً بدل چکے ہیں اور سفر، مثال کے طور پر ہوائی سفر یا ریلوے کا سفر جس میں سیکڑوں مسافر ساتھ ہوں اور عورت کو اس طرح اکیلے سفر کرنے میں کوئی خطرہ باقی نہ رہے تو شرعاً اس کے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، نہ ایسا کرنا حدیث کے خلاف عمل شمار ہوگا" لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ احادیث کو ان حالات اور اسباب کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجائے جس پسِ منظر میں وہ وارد ہوئی ہیں نیز ان کے مقاصد کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔(۱۸)

غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلمانوں کے لئے اور مسلم اکثریتی ممالک میں غیر مسلموں کے لئے شہریت، حکومت میں شرکت اور فوج میں شمولیت وغیرہ:۔

مسلمان صرف اور صرف خدا کو حکمرانی کا سزاوار جانتا اور مانتا ہے اور اس کی عملی تعبیر کی شکل یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی سنت کی روشنی میں کارِ حکمرانی کی تنظیم عمل میں لائیں اور اس کی بہترین صورت خلافت راشدہ کا دور ہے۔فقہ اسلامی کے زیادہ تر ابواب ایسے ہی ماحول کو سامنے رکھ کر مرتب کئے گئے ہیں۔ یہ اس وقت کے حالات تھے آج ہر فرد کے بنیادی حقوق کا اعتراف، شہریوں کے درمیان عدم تفریق کا التزام، دنیا کے بیشتر ممالک میں مذاہب کے ساتھ یکساں رواداری اور عدم ترجیح کا سلوک اور اجتماعی امور میں فیصلہ کے لئے جمہوری طریق سے وابستگی نیز دیگر ممالک میں مسلمانوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ نے ایک نئی صورت حال پیدا کردی ہے۔طارق رمضان مشہور دانشور اور مصنف نے شہریت سے وابستہ فرائض کی ادائیگی کو ایک دینی فریضہ قرار دیا ہے۔

راشد الغنوشی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔’’مسلمانان عالم کی تقریباً ایک تہائی تعداد اپنے ممالک میں اقلیت کے طور پر رہتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مستقبل قریب میں اس بات کی امید نہیں رکھتے کہ ان پر اسلام کے مطابق حکمرانی کی جائے گی۔اس کے برعکس ان میں سے بہتوں کو اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ ان کو مٹانے کی کوشش کی جائے گی یا ان کے خلاف تعصب برتا جائے۔اب فقہ اسلامی کے پاس ان کے لئے کیا امکانات ہیں۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ قریب کے اسلامی ملک میں ہجرت کر جائیں۔اکثر اوقات یہ ممکن نہیں ہوتا اور اگر ممکن ہو بھی تو کیا ایسا کرنا مفید ہوگا؟ یہ تو ایک تباہ کن راستہ معلوم ہوتا ہے جسے دشمنان اسلام اپنی کوششوں کے ضمن میں پیش کرتے ہیں۔بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں مسلمانوں کو نظام حکومت سے کنارہ کشی کر کے حالات بدلنے کا انتظار کرنا چاہیے مگر یہ تجویز اس ایجابی اور حرکی رویہ سے میل نہیں کھاتی جس کی اسلام اپنے پیروؤں سے توقع کرتا ہے۔

ایسے لوگوں کے لئے بہترین راستہ ہے کہ وہ سیکولر جمہوری جماعتوں کے ساتھ مل کہ ایک ایسے سیکولر جمہوری نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کریں جس میں انسانی حقوق کا احترام کیا جائے

،جن حقوق میں وہ ضروری مصالح شامل ہیں جن کے تحفظ کے لئے اسلام آیا ہے مثلاً جان، عقل، نسل، مال، آزادی اور خود دین، جس میں ان معاشروں میں مسلمانوں کے عقیدہ، مذہبی شعائر اور پرسنل لاء کا تحفظ شامل سمجھا جاتا ہے''۔(۱۹)

موصوف کے نزدیک مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اقلیتی ممالک کے مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا جائز ہے بلکہ وہ مقاصد شریعت کی روشنی میں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ جن حالات میں ایک جمہوری اسلامی نظام کا قیام ممکن نہ ہو تو ان حالات میں ایک ایسے سیکولر جمہوری نظام کے قیام کی کوششوں میں حصہ لینے سے کیسے باز رہا جاسکتا ہے۔ ابن خلدون لکھتے ہیں۔''اگر شرع کی حکمرانی ناممکن ہو تو عقل کی حکمرانی قائم کی جائے، اشتراک عمل سے دوری ہرگز مناسب نہیں بلکہ واجب شرعی ہیں کہ مسلمان ایسے نظام کے قیام کی کوشش میں انفرادی اور اجتماعی طور پر شرکت کریں۔ ایسا کرنا ان اصولوں اور مقاصد شریعت کی روشنی میں لازم آتا ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ جن کا جوہر ہے مصالح اور مفاسد کا موازنہ کر کے فیصلہ کرنا۔ وہ اصول بھی اس صورت حال پر منطبق ہے جس کا تعلق ضرورت اور استطاعت سے ہے۔ نیز شریعت کے وہ اصول بھی سامنے رہیں جن نتائج وعواقب کی روشنی میں فیصلہ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔(۲۰)

نئے حالات میں اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفادات، مصالح نیز انسانیت کے عمومی اور طویل المعیاد مسائل کے حل کے لئے سوچنے میں مقاصد شریعت کا یہ حوالہ بہت اہم ہے۔

فوج میں ملازمت کا مسئلہ

غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلمان شہریوں کے لئے ملکی فوج میں ملازمت ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ اس کے جواز اور عدم جواز پر متقدمین نے بحثیں کیں ہیں تاہم موجودہ حالات میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے کیونکہ اکثر اوقات اس سے ان مسلمان فوجیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی آزمائش کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ ایک کٹھن صورت حال ہے تاہم موجودہ حالات میں یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ غیر مسلم اکثریتی ملک کے مسلم شہری اپنے ملک کی فوج میں شامل ہوں اور وہ جملہ فرائض انجام دیں (۲۱)۔

ہندوستانی مسلمانوں کے سیاق میں جب فوج اور پولیس میں مسلمانوں کی نمائندگی کومسلمانوں کے مفادات اور مصالح کے پس منظر میں دیکھا گیا اور اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے طویل المعیاد مستقبل کے لئے اس کی اہمیت پر غور کیا گیا تو مسئلہ کی نوعیت یکسر بدل گئی۔اب سوال جواز یا عدم جواز کا نہیں،مطالبات اور ہم جوئی کا ہوگیا۔قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ کے بارے میں مختلف حالات میں مختلف مؤقف اختیار کئے جاتے رہے ہیں اور ایسا مقاصد شریعت کی رہنمائی میں گیا ہے۔

صدقہ فطر کی نقد کی شکل میں ادائیگی

الشیخ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب ''کیف نتعامل مع السنۃ النبویۃ'' میں لکھا ہے کہ بعض اوقات سنت کے ظاہری الفاظ کی پابندی سنت کی روح اور اس کے مقصد کے منافی ہوتی ہے۔اس کی ایک مثال بعض لوگوں کا صدقہ فطر نقد کی صورت میں ادا نہ کرنے پر اصرار ہے۔ جب کہ ایسا کرنے کی اجازت امام ابوحنیفہ اور ان کی اصحاب کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور بعض دیگر فقہاء کے ہاں بھی ملتی ہے۔ شدت اختیار کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعض متعین اجناس مثلاً منقیٰ، گیہو اور جو کا نام لیا تھا لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ اپنی رائے سے سنت کی مخالفت نہ کریں اور وہی کریں جو ہمیں کرنے کو کہا گیا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ نبی کریمؐ کی مخالفت کررہے ہیں۔اگرچہ بظاہر وہ آپؐ کے حکم پر عمل پیرا ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اُنہوں نے سنت کے جسم کو پکڑ رکھا ہے اور اس کی روح کو بھلا دیا ہے جبکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تو زمانہ احوال وظروف کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے لئے ان اجناس کا تعین کیا جو آپؐ کے پاس لائی جاتی تھیں اور ان کے لینے اور دینے میں بھی آسانی تھی۔عربوں میں خاص طور پر دیہات والوں کے ہاں نقد سکوں کا رواج کم تھا جس کی وجہ سے ان کے لئے اجناس دینا آسان تھا اور محتاجوں کو بھی انہیں کی ضرورت رہتی تھی اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے ان اجناس میں صدقہ دینے کا حکم دیا گیا جو آسانی سے میسر تھیں۔جب صورت حال بدل جائے اجناس مذکورہ آسانی سے میسر نہ ہوں اور نقد آسانی سے دستیاب ہو اور محتاجوں کو اپنے اہل وعیال کے لئے بھی اجناس مذکورہ کے علاوہ دوسری چیزوں کی ضرورت ہو تو نقد کی صورت میں صدقہ دینے والے اور لینے والے دونوں کے لئے زیادہ مفید اور آسان ہے۔یہی طریقہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہدایت اور مقاصد شریعت کے مقصود کے عین مطابق قرار دیا جائے گا۔(۲۲)

مسلم اکثریتی ممالک کے غیر مسلم شہری

قدیم فقہی اصطلاح کی پابندی کرتے ہوئے اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کو ذمّی کہا جاتا رہا ہے اور اس بات پر زور رہا ہے کہ اسلام نے ذمیوں کو بہت حقوق دیئے ہیں۔اس کے باوجود یہ حقیقت نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتی کہ ذمیوں کا درجہ عام شہریوں سے کم ہوگا۔فقہاء کرام نے زمینی حقیقت کے پیش نظر دارالحرب اور دارالاسلام کی جو تقسیم کی ہے وہ ایک عملی ضرورت کی عملی تعبیر ہے نہ کہ الہامی تقسیم۔آج بدلتے ہوئے زمینی حقائق کے پس منظر میں فہم وتعبیر کی نئی کوششیں کی جا رہی ہیں۔حقیقت یہ کہ اسلام انسانوں کے دنیوی حقوق کے بارے میں دین کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کرتا اور شہریت کا موضوع ایسے حقوق میں سے ایک ہے۔تمام بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت ہر فرد بشر کو حاصل ہے۔

اخلاقی معیار اور عدل وانصاف کے پیمانے سب کے لئے یکساں ہیں اور یہ بات انسان کی بنیادی اخلاقی حس کے خلاف ہے کہ ساری دنیا میں مسلمان ہر طرح کے حقوق کا مطالبہ کریں اور جہاں ان کا اقتدار ہو وہاں غیر مسلم باشندوں کو اسلام کے نام پر انہیں جیسے حقوق سے محروم کریں۔یہ اخلاقی معیار اس وقت یاد آیا جب اسلامی دنیا کے باہر سو سے زیادہ مسلمانوں کا وجود امر واقع بن کر سامنے آیا اور مسلم دنیا میں بسنے والے دنیا کی مسلم آبادی کے ساٹھ فیصد لوگوں کے مفادات ومصالح کو غیر مسلم دنیا میں بسنے والے چالیس فیصد مسلمانوں کے مفادات ومصالح سے مربوط کر کے دیکھا گیا۔اس تناظر میں یوسف قرضاوی فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء کرام اہل ذمہ کو اہل دارالاسلام شمار کرتے ہیں۔ آج کی زبان مین جس کے معانی شہری ہونا ہے تو اس کے پس منظر میں یہی ادراک ہے،اسی وجہ سے وہ دعوت دیتے ہیں کہ غیر مسلموں کے مسائل پر پھر سے غور کیا جانا چاہئے اور حالات کی تبدیلی کی رعایت رکھتے ہوئے دانشمندانہ راستہ اختیار کرنا چاہئے۔(۲۳)

قطبین کے علاقوں میں نماز روزہ کے اوقات

بعض اوقات بڑے پختہ دلائل پر مبنی فیصلے،جن کو وقت کے بعض نامور فقہاء کی تائید حاصل ہوتی،مقاصد شریعت سے مغائر ہو سکتے ہیں۔اسی طرح کے فتاوی میں سے ایک قطبین کے علاقوں میں نماز روزہ کے اوقات سے متعلق ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے''بے شک نماز فرض ہے مسلمانوں پر

اپنے مقررہ اوقات میں'' (۲۴) ''(اے محمدؐ) سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز میں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو'' (۲۵)

مسلم شریف کی حدیث ہے:

''حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، ظہر کا وقت زوال آفتاب سے (شروع ہوتا) ہے جب آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو۔ اس وقت تک جب تک عصر کا وقت نہ آجائے اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک دھوپ پیلی نہ پڑ جائے، مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت بیچ رات تک ہے فجر کا وقت طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک ہے۔ جب سورج نکل آئے تو نماز نہ پڑھو کیونکہ سورج شیطان کے دد سینگوں کے درمیان نکلتا ہے''۔ (۲۶)

مذکورہ بالا کے علاوہ اوقات نماز کی تحدید کے بارے میں متعدد ایسی احادیث وارد ہوئیں جن میں دن کے لمبے یا چھوٹے ہونے کے درمیان فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ نمازوں کے اوقات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیان کردہ علامات کو مدنظر رکھتے ہوئے متعین کئے جاتے ہیں۔

مجمع فقہی، رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ نے اس ضمن میں قرارداد پاس کی کہ ''جو کوئی ایسے ممالک میں رہائش پذیر ہو جن میں رات اور دن میں فرق طلوع فجر اور غروب آفتاب کی بناء پر واضح ہوں مگر ان کے دن گرمی میں بہت لمبے اور سردیوں میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ پانچوں اوقات کی نمازیں ان کے شرعی طور پر معروف اوقات میں ادا کرے'' (۲۷)

الشیخ مصطفیٰ الزرقاء (المتوفی ۱۹۹۹ء) نے بحیثیت رکن اس رائے سے اختلافی نوٹ میں لکھا ہے:

''اس موضوع پر میرے رائے اس قرارداد کے برعکس تھی۔ کیونکہ جن ممالک میں دن اور رات کا مذکورہ بالا فرق واضح ہوتا ہے ان میں اس فرق کی مدت کبھی کبھی آدھا گھنٹہ یا ایک گھنٹہ کے بقدر ہی ہوتی ہے یعنی رات ۲۳ گھنٹے کی اور دن صرف گھنٹے بھر کا، اور گرمی میں اس کے برعکس۔ جس حدیث کی بنیاد پر یہ قرارداد پاس کی گئی ہے اس کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ اس میں جزیرۃ العرب کے احوال کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ دور دراز شمالی اور جنوبی علاقہ جات میں دن اور رات میں جو اتنا زیادہ فرق پایا

جاتا ہے حدیث میں اس کی طرف کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔لہذا ضروری ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ اس حدیث میں ایسے علاقہ جات کے بارے میں حکم نہیں دیا گیا۔ایسی صورت حال میں لازم ہے کہ ایسا حکم اختیار کیا جائے جو مقاصد شریعت سے مطابقت رکھتا ہو کیونکہ اول الذکر فتوی مقاصد شریعت کے منافی ہے اوراس قاعدہ کے بھی خلاف ہے کہ حرج دور کیا جانا ضروری ہے' یہ بات کسی طرح بھی معقول نہیں کہ دن یا رات کی ساری نمازیں آدھے گھنٹے کے اندر پڑھ لی جائیں اور نہ یہ معقول ہے کہ ایک گھنٹہ کا روزہ رکھا جائے اور ۲۳ گھنٹے کا نے پینے کی اجازت ہو یا اس کے برعکس''(۲۸)

اس سارے معاملے میں اہم چیز اس بات کا شعور ہے کہ نئے حالات ایک نئے مؤقف کا تقاضا کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے مقاصد شریعت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور اس طرح کی مثالیں ہمیں بتاتی ہیں کہ نیا مؤقف اختیار کرنے میں مقاصد شریعت کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

اسلام تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ خلفائے راشدین نے مقاصد شریعت کی خاطر نئے پیش آمدہ مسائل میں بڑے اور نئے فیصلے کئے۔اکثر اوقات ان صورتوں میں فیصلہ کرنے والے کو فرمودات الٰہی یا ارشادات نبویؐ میں کوئی نص نہ ملتی جس کی تطبیق سے مسئلہ حل ہو جاتا مزید یہ کہ پیش آمدہ صورت نہ صرف نئی ہوتی بلکہ پیچیدہ ہوئی۔چونکہ یہ پیش آمدہ مسائل اجتماعی نوعیت کے ہوتے تھے اس لئے ان میں مشاورت بھی ہوتی تھی۔نفع نقصان کے اندازوں کے علاوہ قرآن وسنت کی تعبیر میں اختلاف بھی ہوا۔خاص طور درج ذیل چار مسائل میں کئے گئے فیصلے تاریخ ساز اہمیت کے حامل رہے ہیں۔

۱۔ مانعین زکاۃ کے خلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جہاد۔

۲۔ شام و عراق کی مفتوح اراضی کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کی بجائے سرکاری تحویل میں لینے کا حضرت عمرؓ کا فیصلہ۔

۳۔ باغیوں کے خلاف حضرت عثمانؓ کا طاقت استعمال نہ کرنے کا فیصلہ۔

۴۔ حضرت علیؓ کا خوارج کے ساتھ معاملہ۔

مذکورہ بالا فیصلہ جات کا گہرائی سے مطالعہ اسلام کی مزاج شناس کے لئے ضروری ہے اور ان

چاروں فیصلوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خلیفہء وقت کو مشورہ دینے والے صحابہ کرامؓ کی فہم وفراست، دور بینی اور مقاصد شریعت سے ان کی بے لوث وابستگی نے کلیدی کردار ادا کیا۔

خلاصہء کلام

معاشرہ کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی بلکہ اس میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یہ تبدیلی کبھی معمولی ہوتی ہے جو حالات کے اتار چڑھاؤ سے رونما ہوتی اور کبھی ہمہ گیر جو ایک دور کے بعد دوسر دور کے آنے سے وجود میں آتی ہے۔ پہلی صورت میں بعض احکام ومسائل میں حذف واضافہ سے کام چل جاتا ہے جبکہ دوسری صورت میں قانونی نظام کو نئے انداز میں ڈھانے اور نئے قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے سابقہ ملکی اور معاشرتی قوانین میں بعض ایسے ہیں جن کا دور ختم ہو چکا ہے اور بہت سے ایسے ہیں جن کے لیے نیا قالب تیار کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس وقت امت مسلم کو درپیش مسئلہ دور کی تبدیل سے متعلق ہے اس بنا پر معمولی حذف واضافہ سے بات نہیں بنے گی بلکہ فروعی نظام میں ترمیم وتنسیخ اور حذف واضافہ کے ساتھ اس کو جدید انداز میں ڈھانے کی ضرورت ہے اور اس کام کے لئے جہد مسلسل درکار ہے۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کو جن حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے ان میں رہنمائی کے لئے مقاصد شریعت کا کلیدی کردار ہے اور مقاصد شریعت کی فہرست کی توسیع کا جو رجحان پہلے سے موجود تھا وہ اب قوی تر ہو گیا ہے اور یہ فہرست جان، مال، عقل، نسل اور دین کے تحفظ تک محدود نہیں رہی بلکہ فہرست طویل ہے۔

مقاصد شریعت کو پہچاننے اور ان کو حاصل کرنے میں عقل اور فطرت اہم کردار ادا کرتی ہیں ۔قرآن کریم میں ازالہء ظلم اور قیام عدل نیز زمین سے فساد دور کرنے امن واصلاح برپا کرنے جیسے بڑے مقاصد کا ذکر اصولی انداز میں آیا ہے کسی دوسرے زمانہ میں کسی جگہ جو صورت حال درپیش ہو اس میں ان مقاصد کے حصول کی مناسب تدابیر خود طے کرنا ہوں گی۔ نبی کریمؐ کا اسوہ عقل وفطرت کی روشنی میں کام کرنے کا ہے۔ آپؐ کے وصال کے بعد جو ایسے مسائل سامنے آئے جن میں قرآن وسنت سے براہ راست ہدایت نہ ملتی ہو ان میں فیصلہ کرنے والوں نے خداداد فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے باہم مشوروں کے بعد مناسب فیصلے کئے اور پیش نظر مقصد کے لئے موزوں طریقہ اختیار کیا۔

مراجع ومصادر

۱۔ ص، ۳۸:۳٦۔

۲۔ البخاری ، محمد بن اسماعیل ، الجامع الصیحح، کتاب الآذان، باب بدء الآذان، حدیث نمبر٦۰۳،دارالسلام للنشر والتوزیع ، الریاض۱۹۹۹۔

۳۔ ایضاً، کتاب اللباس ، باب نقش الخاتم ، حدیث نمبر٥۸۷٦۔

٤۔ ایضاً، کتاب الجمعه ، باب الخطبه علی الممبر، حدیث نمبر ۹۱۷۔

٥۔ ایضاً، کتاب ب الجمعه ، باب من شکا امامة اذا طول، حدیث نمبر۷۰٤۔

٦۔ ایضاً ، کتاب الوضوء ، باب ترک النبی ﷺ والناس الاعرابی حتیٰ فرغ من بو له فی المسجد،حدیث نمبر۲۱۹۔

۷۔ الغزالی، ابوحامد،المستصفی فی اصول الفقه،۱/۲۸۷ ، مطبعة امیر یة،بولاق،قاھرہ،۱۳۲۲ھ۔

۸۔ المستصفی :۱/۳۱۱

۹۔ ابن تیمیه ،تقی الدین احمد،مجموعةالرسائل والمسائل،٤/۱۷٤۔دارالعلمیة، بیروت،۱۹۸۷ء۔

۱۰۔ ابوزھرہ،محمد ، ابن تیمیه ، قاھرہ، دارالفکرالعربی ، بیروت (س ن)۔

۱۱۔ عزالدین ابن عبدالسلام، قواعد الاحکام فی مصالح الانام،٤/۳۰۹، مطبعة حسینیة،قاھرہ،۱۹۳٤ء۔

۱۲۔ دھلوی ،شاہ ولی الله،حجة الله البالغة،۱/۹٥،دارالمعرفة، بیروت(س ن)۔

۱۳۔ ایضا،۲/۱۷۷۔

۱٤۔ انصاری،عبدالحق،ڈاکٹر، پاکستان کا صدارتی انتخاب اور عورت کی سربراہی کا مسئلہ،رسالہ زندگی،رامپور،اپریل ۱۹٦۰ء،ص٦٤۔

۱٥۔ غنوشی ،راشد ، المرأ ة بین القرآن الکریم وواقع المسلمین ، ص ۲۰٦، مرکز الرایة للتنمیة الفکریة ، جدہ ۲۰۰٥۔

۱٦۔ القرار، ۳/۱،المجلس الاروبی للافتاء والبحوث ،زیرولوشن درمسئله عورت کا اسلام لانا اور اس کے شوہر کا اپنے دین پر قائم رہنا،منقعدہ جولائی ۲۰۰۱۔

۱۷۔ ایفا پبلییکشننز،مقاصد شریعت تعارف اور تطبیق،ص ۳٥۰،جامع نگر نئی دھلی۔ ۲۰۰٤ء۔

۱۸۔ القرضاوی ،یوسف،عبدالله،دکتور، کیف نتعامل مع السنة النبوية، ص ۱۳۱،مکتبةالموئد ، رياض ۱۹۹۱ء۔

۱۹۔ الغنوشی ، راشد، الحريات العامه فی الدولة لاسلامية، ص ۳٦۳، مركز دراسات الوحدةالعربية ، بيروت،۱۹۹۳۔

۲۰۔ ایضاً ، ص ۳٦۰۔

۲۱۔ صدیقی ،محمد نجات اللہ، مقاصد شریعت ایک عصری مطالعہ، فکر ونظر، اسلام آباد، ص ۲۱، جلد ۴۱، شمارہ ۴، اپریل جون ۲۰۰۴ء۔

۲۲۔ القرضاوی ،یوسف، کیف نتعامل مع السنة النبوية،ص ۱۳۸۔

۲۳۔ یوسف قرضاوی ۱۲ تا ۱۴ اپریل ۲۰۰۴ میں منعقدہ ہونے والے سیمنار "الاجتہاد بین الافراط والتفریط" ہی دیا گیا بیان۔ بحوالہ
htt://www.alwatan.com/graphics/2004/04apr/24.4/dailyhtml/deenhtml.

۲٤۔ النساء، ٤:۱۰۳۔

۲۵۔ بنی اسرائيل ، ۱۷:۷۸۔

۲٦۔ مسلم ۔ابوالحسن بن الحجاج القشيری ، الجامع الصحيح، كتاب المساجد و مواضع الصلاه باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة ۔ حديث نمبر ۱۷۳،دارالسلام للنشر والتوزيع ، الرياض۱۹۹۸۔

۲۷۔ قرارات مجلس الفقهی الاسلامی، رابطه عالم اسلامی ، ص ۹۹۔ مکرمکرمه ۱۹۸۵۔

۲۸۔ الزرقاء، مصطفی احمد ، فتاویٰ، ص ۱۱۰،۱۹۹۹ء۔

****